© rasailojaraid.com

مولانا عزیز زبیدی

دارالافتاء

فتاویٰ

ایک صاحب پوچھتے ہیں کہ،

(۱) ایک شخص ایک سے زیادہ قربانی دے سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) اگر دے سکتا ہے تو سب ایک ہی دن کرے یا ایک آج، دوسری کل؟

(۳) چار بھائی ہوں تو وہ باری باری اگر کریں تو جائز ہوگا یا نہ؟

(۴) عید کا خطبہ بھی جمعہ کے خطبہ کی طرح پڑھا جاتا ہے یا صرف ایک ہی خطبہ ہوتا ہے؟ اس میں تکبیریں بھی پڑھنی چاہئیں یا نہ؟

(۵) شہر یا گاؤں سے باہر جا کر نمازِ عید پڑھنے کے بجائے اگر مسجد میں یا شہر میں پڑھ لے تو کیا حرج ہے؟ (مختصراً)

الجواب

① ایک سے زیادہ قربانی | ہاں دے سکتا ہے:

(ا) "نحر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیدہٖ سبعة بدن قیاما وضحی بالمدینة کبشین املحین اقرنین" (بخاری باب من نحر بیدہ)

(ب) "قال علیؓ: لما نحر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بدنہ فنحر ثلاثین بیدہٖ وامرنی فنحرت سائرھا" (ابوداؤد)

(ج) "ثم انصرف الی المنحر فنحر ثلاثا وستین بدنة بیدہٖ ثم اعطی علیا فنحر ما غبر" (رواہ مسلم عن جابر بن عبد اللہ باب حجة النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

ہاں اس میں اختلاف ہے کہ سات بکروں یا چھتروں کے عوض ایک گائے یا دس کے عوض ایک اونٹ کی قربانی دینا افضل ہے یا سات یا دس بکروں یا چھتروں کی قربانی بہتر ہے؟ ہمارے نزدیک دوسرا قول افضل ہے کیونکہ آج کے دن اہراقِ دم (خون بہانا) زیادہ محبوب ہے اس لیے جتنی تعداد زیادہ ہوگی اتنی زیادہ فضیلت ہوگی۔ حدیث میں آتا ہے کہ قیامت میں قربانیاں اپنے سینگ، کھر اور بالوں سمیت خدا کے حضور لائی جائیں گی ظاہر ہے یہ تعداد ضرور رنگ لائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"ما عمل ابن آدم من عمل یوم النحر احب الی اللہ من اہراق الدم وانہ لیاتی یوم القیٰمۃ بقرونہا واشعارہا واظلافہا. الحدیث" (ترمذی عن عائشہؓ وقال ھذا حدیث حسن غریب باب ماجاء فی فضل الاضحیۃ)

۲۔ ایک آج دوسری کل

یہ ایک رسم بن گئی ہے کہ جن کے پاس ایک سے زیادہ قربانیاں ہوتی ہیں وہ ان کو قربانی کے مقررہ دنوں پر تقسیم کر لیتے ہیں نیتوں کا حال تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ مگر بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسا اس لیے کرتے ہیں تاکہ کام ودہن کے چسکے کیلئے کچھ دن اور ہاتھ آجائیں اور روزانہ تازہ گوشت مل جائے اس صورت میں ایسی قربانی کے ضائع ہوجانے کا اندیشہ ہوتا ہے کیونکہ جب اس لالچ سے قربانی دی جاتی ہے تو وہ قربانی قربانی نہیں رہتی۔ عام گوشت والی بات بن جاتی ہے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تمنا پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ نماز عید سے پہلے جو قربانی دی گئی ہے اس کے بدلے اب ایک اور قربانی ذبح کیجئے! کیونکہ پہلی صرف اہل وعیال کے لیے ہوئی ہے:

"عن البراء قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب فقال ان اول ما نبدأ من یومنا ھذا ان نصلی ثم نرجع فننحر فمن فعل فقد اصاب سنتنا ومن نحر قبل الصلوٰۃ فانما ھو لحم یقدمہ لاھلہ لیس من النسک فی شیئ" (بخاری باب الذبح بعد الصلوٰۃ)

اگر یہ ذہن نہ بھی ہو تب بھی یہ طریقہ خلاف سنت ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی دن سب کی قربانی کر دیتے تھے، اگلے دن پر نہیں چھوڑتے تھے۔ دو چھوڑ، خواہ بیسیوں ہوتیں۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں: گو یہ بات مساکین کیلئے تو خوب ہے مگر خلافِ سنت ہے کیونکہ حضورؐ نے ایک ہی دن میں سو قربانی دی تھی:

"قلت ھذا الذی قالہ (ای الرویانی) وان کان ارفق بالمساکین الا انہ خلاف السنۃ فقد نحر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی یوم واحد مائۃ بدنۃ اھدا ھا فالسنۃ: التعجیل والمسارعۃ الی الخیرات والمبادرۃ بالصالحات الا ماثبت خلافہ" (روضۃ الطالبین کتاب الضحایا۔ فصل فی مسائل المنثورۃ)

نیز وہ فرماتے ہیں کہ: یہ ۶۳ وہ تھے جو مدینے سے لائے گئے تھے اور باقی وہ تھے جو یمن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ پہنچے تھے (نووی شرح مسلم احدیث جابر بن عبداللہ باب حجۃ النبی صلعم)

امام بخاری نے باب ہی بڑا عجیب تجویز فرمایا ہے جس نے سارے مسئلے حل کر دیئے ہیں۔ باب یہ ہے "باب ما یشتھی من اللحم یوم النحر" یعنی قربانی کے دن گوشت کی خواہش کرنا۔ یہ باب اس حدیث کے لیے مقرر فرمایا ہے جس میں عید کی نماز سے پہلے قربانی کر دینے کا ذکر ہے۔ کہ قربانی دینے میں اگر گوشت ہی کھانے کا جذبہ غالب ہے تو پھر وہ قربانی ... غرض، خدا کے حضور "اہراق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الدم" خون بہانا" ہے اگر اس کے بجائے کھانے کی بے چینیاں مچلنے لگی ہیں تو پھر سامنے پیٹ ہی آگیا خدا کے حضور نذرانہ نہ رہا!

۳۔ چار بھائی باری باری دیں

اس کی کیفیت بھی سوال ۲ " جیسی ہے۔ یعنی بظاہر اس سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ اس " باری باری" کے پس پردہ بھی "گوشت" کھانے کا جذبہ ہے کہ چار دن اور سلسلہ جاری رہ سکے اور تازہ بتازہ — اس لیے اس کا جواب بھی وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا ہے۔ کہ اس میں قربانی کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ ہاں انتظامی قسم کا تقاضا درپیش ہو تو پھر اور بات ہے۔

"انما الاعمال بالنیات" حدیث

بہتر ہے کہ حسبِ حال اپنے وقت پہاں سب کو ہو جانا چاہیئے اس سے ایک تو گوشت غرباء تک زیادہ سے زیادہ پہنچ سکے گا۔ اور دوسرا "اہراق الدم" (خون بہانے) سے جو اصل مطلوب ہے، وہ حاصل ہو جائے گا اور وہ خون بہا کر راہِ خدا میں نذرانۂ عقیدت اور جذباتِ فدویت کا ہدیہ پیش کرنا ہے۔

"لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ" (پ، الحج ع ۵)

خدا تک نہ تو ان کے گوشت پہنچتے ہیں اور نہ ان کے خون بلکہ اس تک تمہاری طرف سے تمہارا تقویٰ ہی پہنچتا ہے۔

"تقویٰ" کا لفظ اپنا اندر بڑی گہری تلمیح رکھتا ہے یعنی اس "دِن گوشت" کے تصور کی منتظر نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ خدا کے حضور اپنی قربانی کا نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے ان پر خشیت کی جو کیفیت طاری ہو سکتی ہے خدا کی نگاہ صرف اس پر ہوتی ہے۔ دراصل یہ قربانی اپنے اندر (۱) ایک عظیم تاریخ (۲) عظیم پس منظر اور (۳) ایک عظیم پیش نظر رکھتی ہے — یعنی (۱) یہ خلیل کا خدا کے حضور اپنی "مخلت" کا ثبوت پیش کرنا ہے (۲) اب دل دھڑکتا ہے کہ کہیں قربانی رد نہ ہو جائے۔ نام و نمود یا مادی لالچ کی آمیزش سے وہ ضائع نہ ہو جائے (۳) اور یہ مال، اولاد کی قربانی کا بدل ہے اب یہ صورت ادعا کی بن گئی ہے کہ مال، اولاد اور جان تک دینے کی ضرورت پڑی تو اسے خدا دریغ نہیں کیا جائے گا۔

"اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ" کا یہی مفہوم ہے۔

خصوصاً "لَا شَرِيْكَ لَهٗ" کے دعوے نے تو دوسری ان تمام تحریکات کی نفی کر دی ہے جو کسی بھی درجہ میں "رضائے الٰہی، تہیا فدویت اور نذرانۂ عقیدت" کے جذبات میں مخلوط ہو سکتی ہے — اس لیے اگر قربانی کے جانور کو اس [illegible] اور احسان" کے جذبے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے قریب تر ہو گی۔ انشاء اللہ۔ اور یہی مناسب ہے۔ سال بھر گوشت کھاتے رہتے ہیں۔ آج اگر خدا کے حضور گوشت کے تصور کے بجائے پوری خشیت اور جذبہ حنیفیت کے ساتھ اس کی خوشنودی کو ہی ملحوظ رکھنے پر اپنے جذبات کو انگیخت کیا جائے تو کیا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ ادھر سے کچھ اسی قسم کی آوازیں آرہی ہیں۔

"باری باری" کے بجائے اگر اپنی ایک سے زیادہ قربانیوں کو ایک ہی دن میں قربانی کر دے، اسی طرح اگر چند بھائی باہم باری دینے کے بجائے، سب بھائی ایک ہی دن میں قربانی دے دیں تو اس دن زیادہ سے زیادہ غرباء اور مساکین بھی استفادہ کر سکیں گے کیونکہ اس طرح ایک ہی گھر کے لیے گوشت کو سنبھالنا ویسے بھی مشکل ہو جائے گا، سنبھالنا ممکن ہو بھی جائے تو بھی اتنے وافر گوشت کی وجہ سے ضرور ہی دل بھر جائے گا اس لیے غریبوں کو بہت کچھ مل جائے گا۔ حضورؐ نے پہلے ذخیرہ کرنے اور بچا کر رکھنے سے منع کر دیا تھا کیونکہ غرباء رہ جاتے تھے، جب ان کو بھی وافر ملنے لگا تو آپؐ نے فرمایا کہ اب بچا کر رکھ سکتے ہو۔

"عن سلمة بن اكوع رضي الله عنه قال النبي صلى الله عليه وسلم من ضحى منكم فلا يصبحن بعد ثالثة وفي بيته منه شيئ فلما كان العام المقبل قالوا يا رسول الله نفعل كما فعلنا الماضي قال كلوا واطعموا وادخروا فان ذلك العام كان بالناس جهد فاردت ان تعينوا فيها" (رواه البخاري باب ما يوكل من لحوم الاضاحي وما يتزود منها) ثلاث لينبسع ذو الطول على من لا طول له۔ ترمذی (ص ۱۸۳)

ہمارے نزدیک وہ سب لوگ محتاج ہیں جو اس دن قربانی دینے کی سکت نہیں رکھتے، اگر اس دن بھی وہ گوشت سے محروم رہا یا ان کو کچھ ملے بھی تو "حسرتوں" کو مہمیز کرنے کے لیے تو اس دن قربانی دینے والے خدا کے ہاں جواب دہ ہوں گے۔ قرآنِ حکیم نے صاف اعلان کیا ہے کہ:

"فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ" (پ ۱۷۔ الحج ع ۵)

"پھر جب وہ کسی پہلو پر گر پڑیں (اور ٹھنڈے ہو جائیں) تو اس میں سے آپ بھی کھائیں اور سفید پوشوں اور منگتوں کو بھی کھلائیں!"

قرآنِ حکیم میں یہ کہیں نہیں ہے کہ برابر حصے کرو۔ بلکہ یہ ہے کہ ان سے تین لوگ فائدہ اٹھائیں، (۱) قربانی دینے والے (۲) غیر مستطیع، سفید پوش اور (۳) سوالی لوگ ——— یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ گھر کے دو تین افراد محلہ بھر کے سفید پوشوں اور سوالی حضرات کی اتنی بھیڑ کے مقابلے میں برابر کے حصہ دار بن جائیں، کیونکہ یہ قربانیاں اب خدا کی ہیں قربانی دینے والے کی نہیں ہیں ان کا تعلق ان سے صرف اتنا ہے کہ انہوں نے قربانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دی ہے۔ جیسے زکوٰۃ کو ادا کرنے کے بعد وہ اب خدا کی بن جاتی ہے ان کا نام صرف اتنا رہ جاتا ہے کہ انہوں نے زکوٰۃ دی ہے۔ آیت میں صرف اتنا ہے کہ آپ بھی کھا سکتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں کہ ضرورت مند کی موجودگی میں آپ سارا ہڑپ کر سکتے ہیں یا ان کے مساوی آپ بھی برابر کے تین حصے کر سکتے ہیں حاشا و کلا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ آپ کے لیے اس سے استفادہ ممنوع نہیں ہے۔ اگر متعلقہ حلقہ میں ضرورت مندوں میں تقسیم کرنے پر صرف ایک ہی دن اور ایک ہی شام کے لیے آپ کے لیے سالن بن سکتا ہے تو پھر اتنے ہی پر اکتفا کیا جائے اور اتنا اتنا گوشت جتنے ضرورت مندوں تک آپ پہنچا سکتے ہیں آپ ضرور پہنچائیں اگر اب بھی کچھ لوگ بچ جائیں تو پھر آپ کی ذمہ داری ختم۔ ہاں یہ بات یاد رہے کہ ہمارے نزدیک گوشت سے غرباء کی تواضع ایک ضمنی ضرورت ہے اصل بات یہ ہے کہ وہ ایک فریضہ ہے اور وہ خدا کے حضور قربانی کے جانور کا خون بہانا ہے۔ ورنہ حج کے دنوں میں جہاں اکثر قربانیاں "دفن کر دی جاتی ہیں" تو وہاں قربانی بالکل نہ کی جاتیں۔ حالانکہ منکرین حدیث کے سوا اس کا اور کوئی شخص قائل نہیں، اس لیے بنیادی طور پر یہ ضمنی حیثیت ہے، بھلا اسی میں ہے کہ "باری باری" دینے سے پرہیز کیا جائے تاکہ نذرانہ بے داغ رہے۔ واللہ اعلم!

۴ عید کے دو خطبے

اس کا بھی وہی مسئلہ ہے جو جمعہ کے خطبے کا ہے۔ درمیان میں قدرے بیٹھ کر پھر دوبارہ خطبہ دیا جائے۔ مندرجہ ذیل حدیث سے یہی بات مترشح ہوتی ہے:

"عن سعد بن ابی وقاصؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی العید بغیر اذان ولا اقامۃ وکان یخطب خطبتین قائما یفصل بینہما بجلسۃ" (مسند بزار) وقال النسائی فی کتاب العیدین: الجلوس بین الخطبتین والسکوت فیہ، عن جابر بن سمرۃ قال رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب قائما ثم یقعد قعدۃ لا یتکلم فیہا ثم قام فخطب خطبۃ اخریٰ الحدیث (ص ۱۸۹) وقال القرأۃ فی الخطبۃ الثانیۃ والذکر فیہما: عن جابر بن سمرۃ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب قائما ثم یجلس ثم یقوم ویقراء (ص ۱۸۹)

گویا کہ امام نسائیؒ ان روایات سے عیدین کے لیے بھی دو خطبے مستنبط فرماتے ہیں۔

"عن جابرؓ قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم فطر او اضحیٰ فخطب قائما ثم قعد قعدۃ ثم قام" (ابن ماجۃ باب ماجاء فی الخطبۃ فی العیدین)

اس کا ایک راوی … اعتراض ہے کہ اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حافظہ میں خرابی پیدا ہو گئی تھی۔

"قال یحییٰ کان لم یزل مختلطا" (میزان)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

"کان فقیہا ضعیف الحدیث من الخامسة" (تقریب)

محشی صاحب تعقیب التقریب اس پر لکھتے ہیں:

"ضعیف الحدیث ای فی حفظہ" (تعقیب)

اس کا دوسرا راوی ابو بحر ہے جس کا نام عبد الرحمٰن ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

"ضعیف من التاسعة" (تقریب) لیکن علماء نے اس سے اتفاق نہیں کیا ان کا کہنا ہے کہ ایک فقہی نظریہ کی بنا پر اس پر طعن کیا گیا ہے۔ ورنہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے:

اقول لانہ روی حدیث النبیذ واہل البصرة تدینوا بتحریم النبیذ...... فظہر ان من تکلم فیہ انما تکلم لحدیث النبیذ فالصواب انہ لا باس بہ (تعقیب التقریب)

اب اعتراض صرف اسمٰعیل بن مسلم کا رہ جاتا ہے لیکن دوسرے شواہد سے اس کی بھی تلافی ہو جاتی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں عیدین کے دن دو خطبے مسنون ہیں:

"عن ابن مسعود انہ قال: السنة ان یخطب فی العیدین خطبتین فیفصل بینہما بجلوس" (نصب الرایة ص۲۲۱ ج۲)

امام نوویؒ فرماتے ہیں یہ منقطع روایت ہے۔ "ضعیف غیر متصل" (نصب الرایة ص۲۲۱ ج۲) جیسا کہ عنقریب تفصیل آئے گی، مرسل ضعیف بھی ہو تو بھی تقویت کے لیے کافی ہوتی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کے خاندان کے ایک فرد حضرت عبید اللہ بن عتبہ فرماتے ہیں، عیدین کے لیے مسنون دو خطبے ہیں:

"السنة ان یخطب الامام فی العیدین خطبتین یفصل بینہما بجلوس" (مسند الشافعی)

اس میں امام شافعی کے استاذ ابن ابی یحییٰ ہیں جو بہت ہی ضعیف ہیں۔

مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ عید کے دن منبر پر تکبیر کہنا سنت ہے۔ نو تکبیریں کہنے پر خطبہ شروع کرے پھر دوسرا خطبہ سات تکبیروں سے شروع کرے:

"السنة التکبیر علی المنبر یوم العید یبدأ خطبة الاولیٰ بتسع تکبیرات قبل ان یخطب ویبدأ الاخرة بسبع" (مصنف عبد الرزاق باب التکبیر فی الخطبة ص۲۹۰ ج۳)

لیکن اس میں بھی وہی ابراہیم بن یحییٰ ہیں اس لیے یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ ہاں ابن ابی شیبہ میں جو روایت آئی ہے وہ ... سے ... ہیں ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدثنا ابوبکر قال حدثنا وکیع عن سفیان عن محمد بن عبدالرحمن القاری عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبۃ قال من السنۃ ان یکبر الامام علی المنبر علی العیدین تسعا قبل الخطبۃ وسبعا بعدھا (مصنف ابن ابی شیبۃ ص۱۹۰/۲ باب فی التکبیر علی المنبر)

قال الشوکانی: ولیس قول التابعی "من السنۃ" ظاهرا فی سنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (نیل ص۲۵۹/۳) ولکن قال الحافظ: ونقل ابن عبدالبر فیہ الاتفاق قال واذا قالھا غیر الصحابی فکذلک ما لم یضفہ الی صاحبہ ... (وقال فی الفتح: واجیب بان قول عروۃ وھو تابعی "السنۃ کذا" وان قلنا انہ مرسل علی الصحیح" (فتح الباری باب خطبۃ الامام فی الکسوف ص۵۴۳/۲)

بیہقی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں :

"السنۃ ان تفتح الخطبۃ بتسع تکبیرات تترٰی والثانیۃ بسبع تکبیرات تترٰی" (بیہقی) ابن ابی شیبہ اور بیہقی کے اسانید مختلف ہیں۔

قال الحافظ ورواہ ابن ابی شیبۃ من وجہ اخر عن عبید اللہ (تلخیص الحبیر ص۱۴۵)

صحابی یا تابعی کا "من السنۃ" کہنا، حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔ قال الزیلعی واعلم ان لفظۃ السنۃ یدخل فی المرفوع عندھم قال ابن عبدالبر فی التقصی: واعلم ان الصحابی اذا اطلق اسم السنۃ فالمراد بہ "سنۃ النبی" صلی اللہ علیہ وسلم وکذلک اذا اطلقھا غیرہ مالم یضف الی صاحبھا کقولھم "سنۃ العمرین" وما اشبہ ذلک" (نصب الرایۃ ص۳۱۲/۱)

یہ وہ روایات اور آثار ہیں، جو مجموعی لحاظ سے حسن لغیرہ کے درجہ میں ہیں کیونکہ ابن ماجہ والی روایت میں اسمٰعیل بن مسلم المکی پر جو جرح کی گئی ہے وہ ان کے حافظہ سے تعلق رکھتی ہے اصولِ حدیث میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ اگر روایت کی تائید کسی دوسری ضعیف روایت سے بھی ہو جائے تو وہ حسن (لغیرہ) ہو جاتی ہے مثلاً ایک دیانت دار اور صدوق راوی کا حافظہ کمزور ہو تو ایک اور طریقے سے ایک اور روایت آجائے۔

"بل ما کان ضعفہ لضعف حفظ راویہ الصدوق الامین زال بمجیئہ من وجہ آخر وصار حسنا (تقریب النواوی ص۱۰۳) حدیث الضعیف للفسق لا یرتقی بتعدد الطرق الی الحجیۃ ولغیرہ یرتقی (التحریر ص۳۱۶)

خواہ وہ دوسری روایت ...

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اذا وجد له طریق اخر فیه ضعف قریب محتمل ارتقی بمجموع ذالک الی درجة الحسن (تدریب ص۱۰۳) وکان دون الحسن لذاته" (تدریب)

اور حسن لغیرہ حجت ہوتی ہے:

"قال السخاوی فی فتح المغیث ان الحسن لغیرہ یلحق فیما یحتج به لکن فیما تکثر طرقه (قواعد التحدیث ص۹۰) ولو وجها واحدا کما یشیر الیه تعلیل ابن الصلاح" (تدریب)

اگر ضعف تدلیس یا جہالت اور ارسال کی بنا پر تو وہ اگر دوسری سند سے آجائے خواہ وہ ویسی ہی ہو تو بھی ضعف منجبر ہو جاتا ہے۔

"وکذا اذا کان ضعفها لارسال زال بمجیئه من وجه الاخر" (تقریب للنووی)

امام سخاوی فرماتے ہیں کہ اس کے یہ معنے نہیں کہ یہ "ضعیف روایت" سے حجت پکڑی گئی ہے۔ بلکہ یہاں احتجاج مجموعی حیثیت سے ہے۔ جیسے ایک مرسل، دوسری مرسل سے خواہ وہ ضعیف بھی ہو تائید ہو جائے تو وہ قابل احتجاج ہو جاتی ہے:

"ولا یقتضی ذلک الاحتجاج بالضعیف فان الاحتجاج انما هو بالهیئة المجموعة کما فی المرسل حیث اعتضد بمرسل آخر ولو کان ضعیفا کما قاله الشافعی والجمهور" (قواعد التحدیث ص۹۰)

کیونکہ اس سے یہ ظن قوی ہو جاتا ہے کہ اب راوی کے حافظے نے خطا نہیں کی:

"وعرفنا بذلک انه قد حفظه ولم یختل فیه ضبطه" (تدریب الراوی ص۱۰۳) وقال ابن الهمام بخلافه بسوء الحفظ لانه لوهم الغلط والتعدد یرجح انه اجاد فیه فیرتفع المانع (التحریر فی اصول الفقه لابن الهمام ص۳۲۸) فلذا رأینا ما رواه قد جاء من وجه آخر عرفنا انه مما قد حفظه ولم یختل فیه ضبطه له وکذلک اذا کان ضعفه من حیث الارسال زال بنحو ذلک (علوم الحدیث لابن الصلاح ص۱۲)

بہر حال ضعاف کی تائید مرسل سے ہوتی ہے اور مرسل کی ضعیف سے، اس کے علاوہ تعدد طرق اور عموم کی تائید بھی اس کو حاصل ہے۔ امام نسائی کے صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ دو خطبے حضورؐ کے خطبوں کے معمولات میں سے تھے" کما مر" باقی رہیں خطبے کے دوران یا پہلے یا آخر میں تکبیریں؟ ہمارے نزدیک "اقرب الی الصواب" ان کا پڑھنا ہی ہے۔ دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا، برائے فصل ہے یا استراحت؟ اس میں اختلاف ہے صحیح پہلا قول ہے۔

"واختلف فی حکمتها فقیل للفصل بین الخطبتین وقیل للراحة.... (والاول) هو الاظهر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گاؤں یا اس سے باہر عیدین

حافظ ابن حجرؒ نے امام شافعیؒ کے ایک قول سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ شہر یا مسجد سے باہر جا کر نماز عید پڑھنا محض جگہ کی تنگی کی وجہ سے تھا۔ اگر سمائی ہو سکے تو شہر اور مسجد میں پڑھی جائے تو اولیٰ ہے۔

ثم اشار (ای الشافعی) ان سبب ذلک سعة المسجد وضیق اطراف مکة قال فی الاعیاد لم ار ان یخرجہ امة فان کان . . . . لا یسعہم کرهت الصلوة فیہ و لا اعادة ومقتضی هذا ان العلة تدور علی الضیق والسعة لا لذات الخروج الی الصحراء لان المطلوب حصول عموم الاجتماع فاذا حصل فی المسجد مع افضلیتہ کان اولیٰ (فتح الباری ج ۲ ص ۵۲۱)

لیکن اس پس منظر اور فلسفہ کے لیے روایات میں کوئی لفظ نہیں ملتا اور نہ ہی سیاقِ کلام سے ایسی کوئی بات مترشح ہوتی ہے۔ اس کے بجائے اگر یہ کہا جائے کہ چار دیواری سے نکل کر جنگلوں، فضاؤں اور صحراؤں کو بھر دینے سے شوکتِ اسلام اور اہلِ اسلام کی نمائش بھی مقصود ہے، اس کے علاوہ عبادت اور ذکرِ الٰہی سے بے کراں فضاؤں کو معمور کرنے کے لیے ایک مناسب تقریب بھی ہے، تو بہتر ہے۔ بہر حال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بعد میں خلفائے راشدین نے اس طرزِ عمل پر مداومت کر کے اس کی اس "انتظامی ضرورت" کی نفی کر دی ہے جس کی فتح الباری میں نشاندہی کی گئی ہے۔ حکمت یہ ہے کہ صحراؤں میں جا کر حضورؐ نماز عید پڑھا کرتے تھے آپؐ کا یہ اسوۂ حسنہ ہمارے نزدیک تمام حکمتوں سے بالاتر ہے۔

واستدل بہ علی استحباب الخروج الی الصحراء لصلوة العید وان ذلک افضل من صلاتها فی المسجد لمواظبة النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی ذلک مع فضل مسجده (فتح الباری ص ۵۲۱)

صحیح اور اصلی حکمت یہی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہی تعامل رہا ہے ہم نہیں جانتے کہ یہ بات جگہ کی تنگئ داماں کا نتیجہ تھی یا فرض و واجب؟ ہم تو وہی بات کہیں گے جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک سائل کے اس جواب میں کہی تھی کہ: "کیا قربانی فرض ہے؟" تو آپؓ نے جواب دیا کہ "حضورؐ نے قربانی دی اور سب مسلمانوں نے بھی"۔ اس نے پھر تکرار سے سوال کیا تو آپؓ نے پھر یہی جواب دیا۔

"اواجبة هی؟ فقال ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والمسلمون"

فاعاد علیہ فقال أتعقل ضحی رسول اللہ والمسلمون (رواہ . . .

© rasailojaraid.com